قاسم یعقوب
لیکچرر، شعبہ اُردو، اسلام آباد ماڈل کالج
فار بوائز I-8/3، اسلام آباد

ادبی تاریخ نویسی میں نظریاتی مباحث کا مسئلہ

Qasim Yaqoob

Lecture, Department of Urdu,

Islamabad Model College, For Boys I-8/3, Islamabad.

Ideological Discussions in Urdu Literary History Writing

Literary history is an important subject of criticism. History of Urdu literature is not as clear as that of the social history of the subcontinent. When we divide history in terms of literary trends we automatically classify its historical continuity. When literary history adopts social incidents and ideological issues they are often diverted under the literary techniques. Literature has its own values and maps. In this article, we go through "interlinked elements" of history and literary history. Unfortunately, Urdu literary history has been written with personal feelings and ideologies. When we read history, we find every historian has written his views under his own discipline, specially during the British colonial era. This is highly problematic. Historians should write history with literary point of view, not with social, cultural and personal beliefs and feelings.

ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے یا ادب کے کسی عہد کا تجزیہ کرتے ہوئے ادب کی سماجیاتی تشکیل ایک ناگزیر عمل ہے۔اس تشکیل میں اُس عہد کی سیاست، معاشرت، تہذیب، کلچر اور لسانی اِرتقا کی تشکیلی حالتوں کے ادب پر اثرات کا جائزہ شامل ہوتا ہے۔محض متون، تاریخ نہیں بنتے بلکہ یہ تاریخ سازی کو خام مواد مہیا کرتے ہیں۔ادب پر ایک عہد کے معاشرت و کلچر کے اثرات سے تاریخ کی نظریہ سازی جنم لیتی ہے جو ادب کو نظریاتی فریم عطا کرتی ہے۔اُردو ادب کی تاریخوں کا جائزہ لینے والے نمایاں رجحانات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو ادب کی تاریخ دو طرح سے لکھی گئی ہے:

ا۔ واقعات کا بیان/سنین اور صحتِ متن کے مسائل۔

ب۔ ادبی تاریخ کی کلی ساخت کی تحقیق، تنقید، کلچر، تہذیب و معاشرت اور سیاست کے اجزا سے تشکیل۔

ان دونوں صورتوں میں ادب کی تاریخ کو متعین کرتے ہوئے مختلف رجحانات کا سہارا لینا پڑے گا۔ سماجی تاریخ اور تاریخِ ادب میں یہی بنیادی فرق ہے۔ کسی معاشرے یا سیاسی ادوار کی تاریخ واقعات کا بیان ہوتا ہے جس کی بنیاد پر کسی نظریے یا رجحان کی تعمیر کی جاتی ہے۔ سیاسی یا سماجی تاریخ میں قبل جدید رجحانات (Pre-Modern Trends) اور جدید ادوار (Modern Periods) میں پروان چڑھنے والی فکر تاریخ نہیں بلکہ تاریخی واقعات کی بنیاد پر نظریات کی تشکیل ہے۔ ہم واقعات اور حقائق کے مجموعے سے تاریخ کے نظریات کو جنم دیتے ہیں جنھیں مختلف پہلوؤں سے نئی قرات دی جاتی ہے۔ یوں تاریخ کا عمل اور اس کی بنیاد پر نظریہ سازی دو الگ الگ عمل قرار پاتے ہیں۔ مارکس کے ہاں تاریخ جدلیاتی ہوتی ہے جو معیشت کے اضدادی جوڑوں میں تقسیم ہے جن میں ایک پرولتاری اور دوسرا بورژوا ہے۔ اسی طرح مذاہب کے اندر تاریخ خیر و شر کی جنگ دیکھی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں تاریخ کی نظریہ سازی یونی پولر اور بائی پولر دنیا کے تصورات میں ڈھل گئی جسے بھی کئی حوالوں سے ردوقبول کا سامنا ہے۔ ادب میں ایسا نہیں ہوتا۔ ادب کی تاریخ ادبی متون کی بنیاد پر کوئی نظریہ تشکیل دے کے آگے بڑھتی ہے۔ ورنہ متون کی پڑھت ممکن ہی نہیں۔ ہم میر و سودا و درد کے فنی مقام کو سمجھ ہی نہیں سکتے جب تک کسی رجحان کے تابع ہو کر اُن کے فن کی قرات نہ کی جائے (یہ رجحانات غلط ہیں یا درست ان پر اختلاف ہوتا رہتا ہے)۔ ہم عصر تحریروں کی نظریاتی تشکیل ضروری نہیں ہوتی کیوں کہ قاری خود اُس دور کے ممکنہ نظریاتی اثرات کے طابع ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حسن (اپنے مضمون: 'تاریخِ ادب کی تدریس' میں) ادب کی قرات کو ایک ہی نظریے سے پڑھنے کے خلاف ہیں۔ جو ادوار عموماً ہر تاریخ نویس کے ہاں پائے جاتے ہیں انھوں نے چیلنج کیے ہیں۔ اُن کے نزدیک تاریخِ ادب کی تدریس سکہ بند رجحانات سے نہیں کرنی چاہیے مثلاً یہی کہنا کہ مسلمان برصغیر میں آئے تو اُردو زبان کی داغ بیل پڑی، کسی حد تک ادھورا تصور ہے۔ مسلمان ایک مذہبی تشخص ہے جو مذہب کو ظاہر کرتا ہے، تہذیب، معاشرت اور اُن کے رسم و رواج کو ظاہر نہیں کرتا۔ گویا ہمیں تاریخ کا مطالعہ کرتے ہوئے زبان کا آغاز مسلمانوں (مذہب) کی آمد سے نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کی رو سے کرنا چاہیے۔ ممکن ہے ایسے ہم زیادہ واضح انداز سے تاریخ کے تاریخی بہاؤ کو سمجھ سکیں۔

ادب میں متون کی شناخت اُن کے دور کے رجحان کی تشکیل کے بغیر کیوں ممکن نہیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ ادب متون کے اندر محض لفظوں کی حد تک نہیں ہوتا بلکہ اُس پر معاشرت، کلچر، رسم و رواج، معاشرے کی ترقی و خوشحالی کے اثرات، زبان کی تشکیلی حالتیں وغیرہ طرح طرح کے اثرات کے مطالعے کے بغیر متون کی ساختی تعبیر ممکن ہی نہیں۔ فلسفۂ لسان کے اہم دبستان 'ساختیات' نے اس سلسلے میں اب آ کے اس موقف کو بیان کیا ہے کہ متون کے اندر معاشرتی و سماجی کنوینشنز موجود ہوتی ہیں جو اُس عہد کی نفسیاتی تشکیل کرتی ہیں۔ ان کنوینشنز اور کوڈز کو جانے بغیر ہم متن کے دھندلکے سے نہیں نکل سکتے۔ نئی تنقید نے متن کے آرٹ کو تو پالیا مگر اُس کی نظریاتی تشکیل (جو تاریخ کا ایک اہم اور بنیادی فریضہ ہے) نہ کر سکی۔ یوں ہم اگر جائزہ لیں تو پتا چلتا ہے کہ تاریخ کے حوالے سے ادب کی نظریاتی تشکیل جو متون کے رجحانات سے تشکیل پاتی ہے بہت ضروری ہے۔ یہ رجحانات متون کے تناظرات سے جنم لیتے ہیں۔ ادب کی تاریخ تشکیل دینا تو دور کی بات۔۔۔ ادب کی تاریخ پڑھی بھی نہیں جاسکتی جب تک متون کے بطون سے

سماج کی نفسیاتی تشکیل نہ کی جا سکے۔ یہاں یہ پہلو یاد رہے کہ متن کی قرات اور تاریخ میں متن کی قرات دو الگ الگ مطالعے ہیں۔متن کی قرات کرتے ہوئے ہم فن پارے کومتن کے اندر سے تلاش کرتے ہیں یا اُس کا ایک طریقہ یہ بھی ہوسکتا ہے مگر تاریخ کے اندرمتن کی جغرافیائی اور ثقافتی شناخت کے بغیر متن کے تاریخی کردار کونہیں سمجھا جا سکتا ۔گویامتن کو سمجھنا اورمتون سے تشکیل پانے والی ادبی تاریخ کو سمجھنا دومختلف پہلو ہیں۔ڈاکٹرمحمد حسن نے ادوار کی نظریاتی تقسیم کے مسئلے پر گفتگو کرتے لکھا ہے:

''دوسرا سوال اُردو کی تاریخ کومختلف ادوار میں تقسیم کرنے کا ہے۔پرانے تذکرہ نویسوں نے ادب کوقدیم ،متوسط اور متاخرین کے خانوں میں بانٹ دیا۔مگر جلد ہی اس تقسیم نے ایک نئی شکل اختیار کر لی۔دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کا ذکر ہونے لگا اور جب بیسویں صدی میں دکنیات کا ادبی ذخیرہ دریافت ہوا تو اُردو ادب کو ایک اور دبستان مل گیا۔انگریزوں کی آمد کے بعد اور خاص طور پر مغربی اثرات عام ہونے کے بعد تاریخِ ادب کا ایک باب لکھا جانے لگا۔عہدِ جدید۔لیکن ان ادوار کی تقسیم کی وضاحت اور اس تقسیم کا جواز اور اس جواز کی وضاحت ضروری ہے۔''[۱]

ادوار کی تقسیم کیسے ہو،کن بنیادوں پر ہوں،کون سے اثرات متون کی نفسیاتی تشکیل میں کارفرما تھے۔ایسے سوالات یقیناً بحث طلب اورنظریاتی حوالے سے مختلف ہوں سکتیں مگر کیا ادوار کی تقسیم کے بغیر ادب کی تاریخ مستجھی یا لکھی جا سکتی ہے،یہ بہت اہم سوال ہے۔

ہمارے ہاں ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ ادب کوصرف درست واقعات کا بیان ہونا چاہیے تا کہ صحیح متون تک دستیابی ممکن بنائی جا سکے،اُن کی نظریاتی تشکیل تنقید کا کام ہے تاریخ کا نہیں۔ یہ جائزے اس لیے کسی حد تک غلط ہیں کہ وہ جن تاریخوں کو واقعات کا بیان کہتے ہیں وہ واقعات کا بیان،سنین اورتصحیح متن کے معاملات متعین کردہ نظریاتی ساخت کے اندر موجود ہوتے ہیں۔یعنی ایہام گوئی کی تحریک،اصلاحِ زبان کی تحریک وغیرہ متعین کردہ ساختیں ہیں جو تاریخ کوکسی نظریے کے مطابق ڈھالنے کے بعد اپنا وجود بناتی ہیں۔ان ساختوں کو ماننے کے بعد اگر اُن کے اسباب وعلل کا جائزہ لینے کی بجائے محض واقعات کاتسلسل یا شعرا کے حالات وتعینِ عہد تک محدود کردیا جائے تو ادبی تاریخ کی تشکیل ایک اُدھورہ عمل رہ جائے گا۔ اُردو ادب کی تقریباً تمام تاریخیں ہرعہد کی نظریاتی تقسیم کرتی ہیں اور شاعر کے فکری میلان کوکسی ساخت کا حصہ بتاتی ہیں مگر کچھ تاریخیں ان ساختوں کے ایک حصے تک رک جاتی ہیں اور کچھ تاریخیں نہ صرف اُس عہد کی کلی نظریاتی تفہیم کرتی ہیں بلکہ ادب کی مجموعی شناخت کا رُخ بھی متعین کرتی ہیں۔عموماً ایسی تاریخوں کومکمل کہا جاتا ہے۔رشید حسن خان اور گیان چند جین ادبی تاریخ سے مذکورہ قسم کے مطالبے کے حق میں نہیں تھے۔وہ ادبی تاریخ کو سب سے پہلے تاریخ دیکھنا چاہتے تھے۔ایسی ادب کی تاریخ نظریاتی ادوار میں تقسیم ہونے کے باوجود خام مواد کی تحقیقی صحت کواوّلیت دیتی ہے۔ جب کہ دوسرا موقف ادبی تاریخ کونظریاتی ساخت کی تشکیل کے ساتھ اپنے عہد کی تہذیبی ،سیاسی و معاشرتی زندگی کا عکاس بھی دیکھنا چاہتا ہے۔گویا ایسی تاریخ صحتِ متن سے زیادہ یا اُس کے سہارے ایک نظریے کی تشکیل کو اوّلیت دیتا ہے۔

اگر ہم مذکورہ دونوں طرح کے موقف کچھ دیر کے لیے رَد کر کے تاریخ کا اپنے طور پر مطالعہ کرنا چاہیں تو ہم اس جنگل میں گُم ہو جائیں گے۔ لا محالہ ہمیں کسی راستے کا سہارا لینا پڑے گا۔تاریخ کا یہ فریم کسی طرح بھی نظریاتی رَد وقبول کے بغیر تعمیر نہیں کیا جاسکتا۔حتیٰ کہ تاریخ کے اندر متون کی تفہیم بھی کسی مخصوص طرز کی آئیڈیالوجی کی مرہونِ منت ہوتی ہے۔یہ عہد سازی ،ادوار کی بالائی

اور زیریں ساختوں سے مل کر بنی ہوتی ہے۔ بالائی ساخت متن کی تصیح اور مصنف کی سوانح وغیرہ پر مشتمل ہوتی ہے جب کہ زیریں ساخت متن کی ثقافتی تشکیل اور تاریخ میں اُس کا شناختی حوالہ ہوتی ہے۔ فرق صرف یہاں سے شروع ہوتا ہے جب اِن ادوار کی زیریں ساخت کا کھوج لگانے کی بجائے بالائی ساخت کو ہی سب کچھ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اُردو ادب کی بالائی ساخت تو متعین کر لی گئی تھی اور جس پر محققین کا اختلاف و اتفاق موجود ہے۔ اُردو ادب شمالی ہندوستان کا عہد، دکنی عہد، اٹھارہویں صدی کی تحریکات، لکھنو سکول اور دلّی سکول، اُردو کا انگریز عہد، سرسید عہد اور پھر بیسویں صدی کی تحریکات...... یہ محض متون نہیں ۔ان ادوار کی تشکیل میں نظریاتی (Idiological) اثرات ہیں۔جنھوں نے ان ادوار کے متون کو ایک رجحان کے تحت اکھٹا کیا۔ان کی تحقیق میں اُترتے والا محقق غیر شعوری طور پر ایک نظریے کی ساخت کی زیریں تہہ میں اُترتا ہے۔سنین وصحتِ متن میں اُلجھنے والا اس بالائی ساخت کی بالائی بنت کاری تک محدود ہوجاتا ہے جب کہ اس کے بعد کے مرحلوں میں اس عہد کی تشکیل کرنے والے عناصر تہذیب، سیاست، معاشرت کی تحقیقی وتنقیدی بصیرت سے وہ محروم رہتا ہے۔ تاریخِ اُردو ادب کی زیریں ساخت کے مطالعوں میں اُردو کی سماجیاتی تاریخ (ڈاکٹر محمد حسن)، اُردو کی تنقیدی تاریخ (احتشام حسین) اور اُردو شاعری کا فنی اِرتقا (مرتب۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری) وغیرہ کو ایک مثال طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔تاریخ کے نظریاتی ادوار کی زیریں ساخت بھی دوطرح ہوتی ہے:

ا۔ کسی عہد کی نظریاتی تشکیل کرنے والے عناصر سیاست، مذاہب، کلچر، روایت، معاشرت اور لسانی ارتقا اُس عہد کے جملہ ادبی اصناف پر اثرات کے جائزہ لیتے ہوئے ادب کی مجموعی ترقی و ترویج کو مدّ نظر رکھنا۔خواہ وہ کسی بھی نقطۂ نظر سے ادب کی ترقی کا باعث بنی ہوں۔

ب۔ دوسرا جائزہ ادب کی نظریہ سازی کرتے ہوئے اُس پر اثر انداز ہونے والے عناصر کی آئیڈیالوجی کو بھی مدّ نظر رکھتا ہے یعنی وہ کسی نقطۂ نظر سے ادب کی ترقی و ترویج کا باعث بن رہے ہیں۔ اگر اُن کا مقاصدِ اولیٰ ادب کی ترقی تھا تو ادب کی ترقّی ہوئی ہے اگر وہ کسی سیاسی/معاشی نقطۂ نظر سے ادب کو آلہ کار بنا کر اُس پر اثر انداز ہوئے ہیں تو ایسی ادبی ترقی، ادب کی ترقی نہیں۔ایسی ترقی ادب کا خود رَدِعمل ہے۔

جہاں تک اُردو تاریخ نویسی کا تعلق ہے۔ادب کو نظریوں ،مذاہب اور عقیدوں کی نظر سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ترقی پسند مورخ ادب کی تاریخ لکھتے ہوئے ترقی پسند فکر کا ترجمان بن جاتا ہے اور وہ ہر زیریں ساخت کا مطالعہ جدلیاتی اصولوں سے کرتا ہے۔اگر بورژوا فکر یا اثرات ،ادب کی ترقی کا باعث بھی بنے ہوں تو وہ اسے اپنے نقطہ نظر سے منفی عمل قرار دے گا۔یہی حال اسلامی مورخوں کا رہا۔حتیٰ کہ ہندوستان اور پاکستان کی جغرافیائی تقسیم کے بعد یہاں ادب کی تاریخ کو بھی دو الگ الگ نقطۂ نظر سے دیکھا جانے لگا۔

ہم نے پہلے طے کرلیا ہے کہ ادب کی زیریں ساخت کلچر اور روایت کے اثرات سے تشکیل پاتی ہے اور ادبی تاریخ کی سمت نمائی میں یہ زیریں ساخت غیر شعوری طور پر موجود رہتی ہے۔ہم اس کے بغیر متون کو تو پڑھ سکتے ہیں مگر ادب کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کرسکتے۔ یہاں ایک اصول اور متعین کرنے کی ضرورت ہے کہ ادب پر پڑنے والے اثرات کے منفی یا مثبت ہونے کا فیصلہ کیسے کیا جائے؟ تو ایک سیدھا سا اصول ہے کہ ادب کی ترقی کا باعث بننے والے تمام اثرات، مثبت اثرات ہوں گے۔ادب کی جمالیات کو جلا دینے والے تمام واقعات خواہ وہ سماجی/سیاسی سطح پر منفی ہی کیوں نہ ہو مثبت کہلائیں گے۔اصل میں ادب کی نظریاتی تشکیل ادب

کے اپنے میکانیاتی نظام کے مطابق ہوتی ہے۔اگر ادب پڑنے والے اثرات ادب کی تخلیقی دھارے کو آگے بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں تو وہ ادب کے لیے مثبت ہوں گے خواہ اُن کا مقصد ادب کی ترقی نہ بھی ہو۔اسی طرح اگر ادب کے مجموعی تخلیقی دھارے کو نقصان پہنچ رہا ہو تو وہ اثرات منفی کہلائیں گے خواہ وہ ادب کی بہتری کے لیے ہی کیوں نہ کیے جائیں۔اُردو ادب کی تاریخ کا جائزہ مذکورہ تعریف کی روشنی میں بہت کم محققین نے نہیں لیا ہے۔جالبی صاحب باقاعدہ ادب کی میکانیات کو سمجھتے ہوئے ادب کی ترقی کا باعث بننے والے محرّکات وتحریکات کو مثبت انداز سے سامنے لاتے ہیں اور اُن کی نظریاتی ترجیحات کو پس انداز رکھتے ہیں۔تقریباً ہر ادبی مورخ ادب کی نظریاتی تقسیم کرتا نظر آتا ہے۔

اس سلسلے میں ''اُردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' کی ایک مثال دیکھیے۔سیّد احتشام حسین ادب کے فریم میں اپنی ذاتی آئیڈیالوجی کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ادب پر کلچر و معاشرت کے اثرات پر ذاتی نقطۂ نظر اور ادب کا نقطۂ نظر میں فرق کرنا چاہیے ورنہ ہم ادب کی تاریخ میں ادب اور زبان کے تخلیقی بہاؤ کی درست سمت نمائی نہیں کرسکیں گے۔وہ لکھتے ہیں:

> ''دوسرا اہم واقعہ جس نے جنوبی ہند میں اُردو کے پھیلنے میں مدد کی ۔۔۔چودھویں صدی میں پیش آیا جب کہ محمد تغلق نے دیوگری کو دولت آباد بنا کر اپنا دالسلطنت بنایا اور دلّی سے زیادہ تر باشندوں کو وہاں جانا پڑا۔سیاسی نقطۂ نظر سے یہ واقعہ جیسا بھی ہو تشکیلِ زبان کی نظر سے یہ اہم ثابت ہوا کیوں کہ ہماراشٹری اور دراوڑی زبانوں کے درمیان شمالی ہند کی ایک بولی مذہبی سیاسی اور تاریخی اسباب سے ادبی شکل اختیار کر رہی تھی۔تہذیبی تاریخ کے نقطۂ نظر سے یہ بات بھی مطالعہ ہے کہ دہلی سے دیوگری تک راستے میں آج بھی ایسے بہت سے اہم مقامات ہیں جہاں مسلمانوں کی قدیم آبادیاں اور سوفیوں کے مساکن اس سفر کی یاد دلاتے ہیں۔''[۲]

جب کہ فورٹ ولیم کالج کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> ''انیسویں صدی میں عیسائی مبلغین کو محض اس بات کی آزادی حاصل نہیں ہوئی کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کریں بلکہ ہندو مسلمانوں کو لڑانے اور مسیحی ہوجانے پر ان کو فائدہ پہنچانے کی پالیسی پر چلنا بھی ایک عام بات ہوگئی۔اس سلسلے میں یورپ کے کچھ مصنفین اور علماً نے بھی اُردو کی طرف دھیان دیا۔یورپ اور ہندوستان کے اقتصادی اور ثقافتی روابط کا ذکر دوسرے موقع پر کیا جائے گا۔یہاں فقط اتنا ہی دیکھنا ہے کہ اُردو کی ترقی کے سلسلے میں ان سے کتنی اور کیسی مدد ملی اور اس مدد کا مقصودِ اصلی زبان کی خدمت تھی یا سیاسی حکمتِ عملی اس نئی صورتِ حال پر غور ضروری ہے۔''[۳]

کیا دہلی شہر کی جگہ دولت آباد کو مرکزِ سلطنت بنانا ٹھیک فیصلہ تھا؟ تہذیبی نقطۂ نظر سے یہ ایک تہذیب کے ختم ہونے کا افسوس ناک عمل تھا جو ایک بادشاہ کی امپیریل سوچ کی وجہ سے وقوع پذیر ہوا۔محمد تغلق کے حوالے سے وہ اسے سیاسی فیصلہ قرار دے کے ادبی معاملات سے الگ کر دیتے ہیں۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ دہلی کی گلیوں میں بلی کتے بھی نہ رہے سب ہجرت کر گئے گویا ایک حاکم کے ایک فیصلے کے آگے پوری تہذیب ملیا میٹ ہوگئی مگر چوں کہ یہ سارا عمل ادب کی ترقی کا باعث بنا۔اس لیے ادبی مورخین اسے سونے پہ سہاگا قرار دیتے رہے۔ادبی تاریخ کی میکانیات میں یہ درست عمل تھا۔بعد میں یہاں امیرانِ صدہ کی بغاوت نے اُردو کے ایک زریں عہد کا آغاز کر دیا۔جو کوئی دوسو سال جاری رہا۔لکھنؤ میں امراً کی عیاشیاں اور دلّی میں مرہٹوں

،جاٹوں اور بیرونی حملہ آوروں کا خون خرابہ ادب کا زرّیں عہد بن کے طلوع ہوا۔ یہ سب عوامل ادب اور زبان کی ترقی کا باعث بنے ۔گویا ادب کے فریم میں یہ عوامل مثبت ثابت ہوئے۔اسی طرح آگے چل کر فورٹ ولیم کالج کا دور سیاسی حوالے سے کوئی سے بھی مقاصد رکھتا ہو ادب کے اندر اُن کا کردار مثبت معنی کا حامل ہے اور تاریخ کے مورخ کو انھیں مثبت انداز سے پیش کرنا چاہیے۔ادب پر پڑنے والے اثرات کا غیر ادبی مطالعہ الگ سے ایک مضمون ہے جو ادب اور معاشرت کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرنے کے بعد کیا جانا چاہیے۔

انگریز عہد میں افسانہ اور ناول آیا۔پہلی دفعہ تنقید نگاری کا آغاز ہوا۔تھیٹر اور ڈرامہ لکھا جانے لگا۔پریس اور اخبارات کی شکل میں زبان کو عوامی طاقت میسر آئی۔نئی نظم کو فروغ ملا۔ادبی تاریخ کے ساتھ چلتے ہوئے ہم ایک زریں دور میں داخل ہوتے ہیں۔مگر کچھ ناقدین نے ادب کو تاریخ کے سیاسی فریم میں جکڑ کے دیکھا تو ادب کے اندر ہونے والی اس Richness کو منفی عمل قرار دے دیا۔اُن کا موقف تھا کہ ان تمام اصناف کا ورود اور نئے تخلیقی اذہان کے پیچھے نوآبادیاتی فکر کارفرما تھی۔مسئلہ یہی پر ختم نہیں ہوجاتا۔ایسے مورخ اور ناقد یہ ترقی او روژن قبول ہی نہیں کرتے ۔وہ اُردو ادب کے قاری کے لیے تاریخ میں اپنی فکری بالادستی قائم رکھتے ہوئے ملا طرز کی اصلاح بھی کرتے ہیں۔ایسی تاریخ نویسی ایک غلط رجحان ہے۔اگر ادب کو ذاتی نظریے کے فریم میں ہی رکھ کر دیکھنا اور قارئین کی تاریخی ادبی اصلاح درکار ہے تو پوری تاریخ کو ایک ہی نقطۂ نظر سے دیکھا جانا چاہیے مثلاً

- کیا دولت آباد کو بہ طور دارالخلافہ منتقلی محمد تغلق کی تہذیبی اعتبار سے صرف اقتدار پرستی نہیں تھی؟
- اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں بیجا پور اور گول کنڈہ جیسی علم و ادب کی عظیم درس گاہوں کو برباد کردیا گیا۔یہ سلسلہ اکبر کے دور سے شروع ہوا اور رفتہ رفتہ اس کلچر کے زوال کا باعث بنا۔کیاان کے پیچھے امپیریل مقصد نہیں تھا؟
- اٹھاہویں صدی میں تہذیبی اور سیاسی سطح پر انتشار نے معاشرے کو زوال آمادہ کر دیا۔جس نے کلچر کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دیے۔

ان نکات کو سیاسی نقطۂ نظر سے کم اور ادبی نقط نظر سے زیادہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ یہ ادب کے مطالعے کا ایک ذریعہ ہیں ادب کے سیاسی نظریے کی بنیاد نہیں بنتے مگر یونہی ہم انگریز عہد میں داخل ہوتے تو سیاسی اثرات اور معاشرت اپنا ذاتی نقطہ نظر لے کے مورخ کے قلم سے نکلتی ہے جو ادبی تاریخ نویسی میں ایک منفی عمل ہے۔

حواشی

۱۔ محمد حسن، ڈاکٹر، ادبی تاریخ نویسی (مرتب:ڈاکٹر عامر سہیل) مشمولہ مضمون' تاریخ ادب کی تدریس' ،پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور2010ء،ص 152,153

۲۔ احتشام حسین ،سیّد: اُردوادب کی تنقیدی تاریخ،دالنوادر، لاہور،2005ء،ص25

۳۔ ایضاً،ص139